SHNAKHAT E(ISSN) 2709-7641, P(ISSN) 2709-7633
Vol:3, ISSUE:3 (2024) PAGE NO: 246-360
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

Cite us here: Sadia Sanaullah, Abida Shaheen, & Wasim Arshad. (2024). Two Letters of Comfort" by Dr. Imran Zafar. Analytical Study: "ازڈاکٹر عمران ظفر۔۔۔تجزیاتی مطالعہ "دوحرف تسلی کے. *Shnakhat*, 3(3). Retrieved from https://shnakhat.com/index.php/shnakhat/article/view/357

" Two Letters of Comfort" by Dr. Imran Zafar. Analytical Study

"دوحرف تسلی کے "ازڈاکٹر عمران ظفر۔۔۔تجزیاتی مطالعہ

Sadia Sanaullah[1] Abida Shaheen[2] Wasim Arshad[3]

M.Phil Urdu, Lahore Leeds University, Lahore
M.Phil Urdu Scholar, University of Lahore, Sargodha Campus
Assistant Lecturer, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore

Abstract

Dr. Imran Zafar is a comprehensive and genius person of various sciences and arts. His vocabulary is very wide. Humorist, distortion writer, researcher, teacher, expert in Faiz, writer, and poet. He raised his pen on various topics and also discussed various scientific and literary problems. Fields of poetry. I am not an imitator of anyone. There is a spirit of individuality in his character, which is making him stand out among his contemporaries as an individual at every stage. He wrote a lot in poetry and prose. Dr. Imran Zafar's poetry collection "Do Haraf Tasli Ke" is a collection of ghazals, poems, and Fai Badi poems. Emotions are expressed in his poetry very simply and frankly. The charm of simple language and expression is in its place; there is also a lot of intensity of feeling in them—pain, swelling, and yearning. Imran Zafar is the honor of literary tradition. He promoted a tradition of ghazal whose lamp was lit by Chirag, Wali, Mir, Hasrat, Atesh, and Nasakh.

Keyword: Arts, Humorist, Scientific, Do Harf Tasli ke, Emotions

اکیسویں صدی میں جن شعرا نے اپنے موضوعات اور منفرد لہجے کی بنا پر اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا، ان جدید شعرا میں ایک نام ڈاکٹر عمران ظفر کا ہے۔ان کا شمار عصرِ حاضر کے مقبول و معروف شعرا، نثر اور مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کے لہجے میں مٹھاس، دھیما پن اور گھلاوٹ موجود ہے۔ڈاکٹر عمران ظفر مختلف علوم و فنون کی جامع اور نابغہ روزگار ہستی ہیں۔ان کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے ۔مزاح نگار، تحریف نگار، محقق، معلم، ماہرِ فیض، ادیب اور شاعر ہیں۔انھوں نے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا اور گوناگوں علمی و ادبی مسائل سے متعلق بھی بحث کی ہے۔شاعری کے میدان میں کسی کے مقلد نہیں ان کی طبع سلیم میں انفرادیت کا ایک جذبہ موجود

ہے جو انھیں معاصرین میں ہر مرحلے میں ایک انفرادی حیثیت سے روشناس کروا رہا ہے۔اُنھوں نے نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا۔اُن کی شاعری کے متعدد مجموعے چھپ چکے ہیں۔ان کی کتب درج ذیل ہیں:

1۔ تحریفات کلامِ اقبال
2۔ فیض کے نایاب خطوط
3۔ کفِ گل چیں
4۔ دشت محبت
5۔ خواب دیدہ
6۔ شعر آیا شعر آیا
7۔ کرونا میرے آگے
8۔ دو حرف تسلی کے
9۔ کلیاتِ صفدر سلیم سیال

ڈاکٹر عمران ظفر کا شعری مجموعہ ''دو حرف تسلی کے'' غزلوں، نظموں اور فی البدیع اشعار کا مجموعہ ہے۔اِس مجموعۂ کلام کا نام ''دو حرف تسلی کے'' ڈاکٹر خورشید رضوی کی غزل کے مشہور شعر :

دو حرف تسلی کے جس نے بھی کہے اس کو
افسانہ سناڈالا تصویر دکھاڈالی

دنیا رہی خوابیدہ، خورشید نے شب بھر میں
پچھم سے شفق لا کر پورب میں بچھاڈالی

سے لیا گیا ہے۔ عمران ظفر شاعری میں نظم کے میدان کے بھی شاہ سوار ہیں اور غزل کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں۔ان کی شاعری میں جذبات کو انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے بیان کیا گیا ہے۔ سادگی زبان و بیان کی سحر کاری اپنی جگہ ان میں احساس کی شدت بھی بہت ہے، درد، سوز و گداز اور تڑپ بھی۔ عمران ظفر ادبی روایت کی آبرو ہیں۔انھوں نے غزل کی ایک ایسی روایت کو فروغ دیا جس کا چراغ، ولیؔ، میرؔ، حسرتؔ، آتشؔ اور ناسخؔ نے جلایا۔ نمونۂ کلام دیکھیے:

کیسے بتاؤں اُس کو میں کیسا لگا مجھے
مدت کے بعد پھر کوئی اچھا لگا مجھے

گو اس نے کج نگاہی سے دیکھا تھا بزم میں
ٹیڑھا تھا تیر آ کے، پہ سیدھا لگا مجھے
پہلی نظر میں اس کو جو دیکھا تو سچ کہوں؟
دھرتی پہ کوئی چاند کا ٹکڑا لگا مجھے
بے جان شاعری میں نئی روح پھونک دی
وہ یارِ خوش جمال، مسیحا لگا مجھے
اس کی خوشی میں میری خوشی، غم میں میرا غم
قسمت کا کھیل شیل تماشا لگا مجھے
کل تک جو میرا تھا وہ فقط تیرا ہو گیا
پہلو میں اپنے دل بھی جھلا والا لگا مجھے (1)

عمران ظفر کی شعر خوانی کا انداز بھی بہت نرالا ہے۔ بقول ڈاکٹر خاور بوسالوی:

''عمران ظفر شاعری کرتا نہیں بلکہ اس سے شاعری ہو جاتی ہے اور جو چیز خود بخود ہو جائے اس کے معتبر ہونے میں کیا شک ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ روئے تو آنسوں کو مزید قیمتی بنا دیتا ہے اور جب مسکرائے اور دوسروں کو ہنسانے پہ آ جائے تو پھولوں کی پتیوں کو تتلیاں بنا کے اڑا دیتا ہے۔''(2)

ڈاکٹر عمران ظفر کی زبان سادہ، سلیس اور آراستہ ہے۔ جس کی سادگی میں بھی بناؤ ہے، اکثر معاملات اور کیفیات کو تشبیہ و استعارہ کے انداز میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کے تخیل کی پرواز بڑے رنگین پیکروں میں ڈھل جاتی ہے۔ شاعری ایک لطیف پیرائے کا نام ہے یہ خشک موضوع نہیں بلکہ جذبات کے شگفتہ اظہار کا ایک وسیلہ ہے۔ جس میں مختلف مضامین کو ایک آہنگ میں ڈھال کے بیان کیا جاتا ہے۔ اُن کے کلام میں ایسے مضامین بکثرت پائے جاتے ہیں جن سے تخیل کی بلند پروازی یا خیال آفرینی مقصود ہوتی ہے۔ زبان کی سلاست، سادگی اور روانی کے علاوہ جس خصوصیت نے ان کے اشعار کو امتیازی رنگ دیا ہے وہ ان کی تخیل آفرینی اور شوخی تحریر ہے:

ہمیں معلوم ہی کب تھا
عقیدت تھی

وہ قربت تھی
کہ پھر
شاید محبت تھی !
زبان خلق کو لیکن
نہ میں سمجھا
نہ تم مانے! (3)

عمران ظفر ایک جبّلی اور فطری شاعر ہیں اور ہر پیامی شاعر کو ایک ایسے سانچے کی ضرورت ہوتی ہے جس میں اپنے افکار و خیالات اور محسوسات کو تسلسل کے ساتھ منفرد انداز میں ڈھال سکے۔ اگرچہ عمران ظفر نے اردو شاعری کی تمام صورتوں میں طبع آزمائی کی ہے ۔ حمد، نعت، غزل، نظم، آزاد نظم، معریٰ نظم، رباعی، قطعات اور پیروڈیز وغیرہ۔ غزل میں چوں کہ مدعا اشارے کنائے میں پیش کیا جا سکتا ہے اور غزل ایک تسلسل کا نام ہوتا ہے اس میں تفصیلی اظہار کی گنجائش نہیں ہوتی اگرچہ موصوف نے غزل کو بھی برتا لیکن اپنے پیام کی ترسیل کے لیے نظم کا سہارا لینا پڑا۔ شاعری دراصل ایک فن ہے جو کہ اظہار کی تشریح ہے۔ یہ نفس انسانی کا وہ خاص عمل ہے جس کے ذریعے شاعر احساس کے کسی لمحے کو اخذ کر لیتا ہے۔ اور اسے ایک صورت (ہئیت اور شکل) عطا کرتا ہے۔ آزاد نظم ''محبت کی آخری نظم'' سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

اسے معلوم یہ سب تھا
مجھے اب سردیوں کی سرمئی خاموش شاموں سے عجیب وحشت سے ہوتی تھی
دسمبر کی کسی شب،
ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو تو مجھ کو خوف آتا تھا
میں اس سے بات کر کے کچھ سکوں محسوس کرتا تھا
مجھے اس کا سہارا ہر گھڑی مضبوط رکھتا تھا
بڑا مربوط رکھتا تھا (4)

عمران ظفر کی نظمیہ شاعری کا داخل ان کے خارج سے مل کر ایک نئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان کی نظموں میں اسلوب اور موضوع کی مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ ان کے ہاں فکری حقائق اور انسانی جذبات کا بیان بہترین شاعرانہ زبان میں ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ شعر کی تخلیق کے وقت شاعر کا ذہن محسوسات سے وابستہ ہوتا ہے۔ محسوسات جو اس کے جذبات نچوڑتے ہیں اور جس سے جذبات

برانگیختہ ہوں اور وقتاً فوقتاً ذہن کے کسی کونے میں اکٹھے ہوتے رہیں انھی محسوسات کو لسانی لوازم کے سہارے وہ قاری کے سامنے لفظی جامہ پہنا کر پیش کرتے ہیں۔ عمران ظفر ایک ایسے شاعر ہیں جن پر کہیں بھی اور کسی بھی وقت شاعری کی دیوی مہربان ہو جاتی ہے اور شعر نازل ہونے لگتا ہے:

میں ایک فنکار تھا
پہچان رکھتا تھا
مگر گمراہ بن بیٹھا
مجھے دعویٰ تھا میں لوگوں کو
غم سے دور کرتا ہوں
ہمیشہ مسکرانے پر انھیں مجبور کرتا ہوں
کسی کو کیا بتاتا میں
کہ خود غمگیں ہوں کتنا(5)

ماں کی ممتا ایک آفاقی سچ اور حقیقت ہے۔ ان کی نظم ''ماں'' دراصل والدہ ماجدہ کی محبت، جدائی اور تڑپ میں لکھی گئی ہے۔ انسانی رِشتوں میں سب سے ان مول اور بے بدل رِشتہ کہ جِس کی برابری کوئی اور رِشتہ نہیں کر سکتا اور جِس کے نہ ہونے سے زندگی تپتے صحرا جیسی ہو جاتی ہے۔ ماں وہ رِشتہ ہے جِس کی کمی ہمیشہ تڑپاتی ہے۔ ہر خُوشی کے موقع پر اِس رشتے کی کمی آنکھوں کو اشکوں سے بھر دیتی ہے۔ اس عظیم رِشتے پہ دِل کی گہرائی یوں سے لکّھی گئی۔ ڈاکٹر عمران ظفر کی ایک خُوب صورت اور مختصر نظم '' ماں''لائقِ تحسین ہیں۔ اس نظم کا ایک ایک لفظ سنہری الفاظ سے لکھا گیا ہے:

سردی کی ٹھٹھری صبحوں میں
اجلی اجلی دھوپ ہے کوئی
ماں تو رَب کا روپ ہے کوئی(6)

کیا عمدہ الفاظ کا چناؤ ہے ماں کی محبت اس قدر شفاف ہے کہ خود خدا نے اپنی محبت کے اظہار کے لیے ماں کی محبت کا چناؤ کیا کہ اللہ اپنے بندے سے ستر ماؤں جتنی محبت کرتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے اس دور میں بے پناہ قدر ترقی کے باوجود بھی سائنس اس قابل نہیں کہ وہ ماں کی اولاد سے محبت کو ناپنے کے لیے کوئی پیمانہ بنا سکے۔ تبھی تو شاعر گویا ہوئے

ماں رب کا دوسرا روپ ہے کوئی

دنیا میں ماں ایک ایسا رشتہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ماں سے بڑھ کے عاشق کوئی نہیں ہوتا اور اولاد سے بڑا محبوب۔ یہ حقیقت ہے ماں خدا کی محبت کا دنیا میں عکس ہے۔ ان کی متعدد نظمیں ایسی ہیں جو خیالات اور احساسات کی انفرادیت اور دھیمے لہجے کے سبب منفرد معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی شاعری میں ہم بہت سے متعلقہ سوالات سے بھی دوچار ہوتے ہیں مثلاً نظامِ کائنات خالق، تخلیقِ کائنات، محبت، خلوص، تقدیر و تدبیر، آغاز و انجامِ حیات وغیرہ۔ اس نوعیت کے بہت سے مسائل متعدد نظموں میں پیش کیے گئے ہیں۔ عمران ظفر کے نزدیک زندگی جبر تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک لاینحل معمہ بھی ہے۔ ہر ذی روح جو اس دنیا میں آیا ہے آخر اس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ قران پاک میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ

''ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔''(7)

باپ کے کندھوں پہ سونے والے اور باپ کے بازؤں میں کھیلنے والے اچانک یتیم ہو جائیں تو زندگی کا اک اک پل مشکل بن جاتا ہے۔ باپ ہر روپ میں انمول ہیرا ہے۔ باپ کے بغیر زندگی کا ہر پل ادھورا ہوتا ہے۔ باپ کا سایہ جس پر ہو وہ دنیا کا خوش نصیب انسان ہے۔ باپ کے بغیر زندگی کا ہر دن بے رونق اور ہر شام اداس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ انمول ہوتے ہیں جن کی جگہ کبھی کوئی نہیں لے سکتا - اگر وہ آپ سے دور ہو جائیں تو سدا کا ادھورا پن آپ کے مقدر کی کتاب میں لکھ دیا جاتا ہے کیوں کہ کچھ خلا کبھی پر نہیں ہوتے۔ بعض اوقات انسان جس سٹیج پر بھی پہنچ جائے وہ اپنے بچپن اور اپنے ماضی کو یاد کر کے آزردہ ہو جاتا ہے۔ نظم ''لکّن مٹی'' جو کہ ان کے والد کی پہلی برسی کے موقع پر لکھی گئی ہے۔ '' لکّن مٹی'' پنجاب میں کھیلا جانے والا بچوں کا کھیل ہے جس میں بچے نظروں سے اوجھل ہو کر چھپ جاتے ہیں اور ایک بچہ ڈھونڈتا ہے جب ڈھونڈنے والا ڈھونڈ نہ پائے اور اپنی ہار کا اقرار کر لے تو چھپنے والے سامنے آ جاتے ہیں۔ شاعر اپنے والد کی وفات پر اس قدر رنجیدہ ہے، بازی کی جیت انھی کے نام کر کے ان کو واپس بلانا چاہتے ہیں۔ لیکن جانے والے واپس کہاں آتے ہیں۔

کسی بہت عزیز کا بچھڑ جانا انسان کو اندر سے توڑ کے رکھ دیتا ہے اور خاص کر والد جیسے شفیق رشتے کا سایہ سر سے اٹھ جانا تو بہت سے طوفانوں کا سامان ہے۔ تقدیر کے مقابلے میں بے چارگی پر رنج و غم کا احساس اور اس پر آنسو بہانہ انسان کا فطری رد عمل ہے۔ والد کی یاد میں باہر جانے والے آنسوؤں نے دل کے بوس کو ہلکا کر دیا سارا محل کچیل آنسو میں تحلیل ہو کر آنکھوں کے راستے خارج ہو گیا۔ آخر میں شاعر خود کو بالکل ہلکا پھلکا اور معصوم بچے کی مانند محسوس کرتے ہیں۔ شفیق والد کی یاد شاعر کو ماضی کے دریچوں میں لے گئی جب وہ چھوٹے تھے تو والد صاحب کی قربت میسر تھی زمانے کے نشیب و فراز کی پرواہ نہ تھی۔ والد صاحب کو یاد کرتے ہوئے گزرے ہوئے زمانے سے متعلق حالات و واقعات کا یاد آنا سلسلہ خیال کا حصہ ہے۔ رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

''موت کے تصور سے اور خاص طور پر اس وقت جب انسان کی کسی عزیز ہستی کو موت اچک
کر لے گئی ہو۔ قلبِ حسّاس پر تقریر کی برتری اور تقدیر کے مقابلے میں انسان کی بے بسی اور
بے چارگی کا نقش ابھرنا ایک قدرتی بات ہے۔(8)

والد صاحب کی شفقت محبت نرمی اور اخلاص نے اپنی محبت کا جو بیج شاعر کے دل میں بویا تھا غم کا پانی ملنے پر اب وہ ایک پودے کی صورت اختیار کر گیا ہے اور الفت کا تناور درخت بنتا جارہا ہے جس کے بعد شاعر خود کی نفی کر کے والد صاحب کی قربت دوبارہ چاہتا ہے۔انسانی فطرت ہے کہ جب انسان دکھ درد میں مبتلا ہو تو اس کے آرزو ہوتی ہے کہ کوئی ایسا ہمدرد ہو جو اس کا دکھ درد بانٹ لے۔ رات کی تنہائی میں کسی ہم درد کی عدم موجودگی اس کے غم میں شدت کا باعث بن جاتی ہے اور پھر اس کے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ ورنہ شدّتِ غم سے دل کے پھٹنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ یہ فطری تقاضہ ہے۔ جب بات بن نہ پارہی ہو تو انسان ڈھل جاتا ہے۔اور کسی سہارے کو تلاشتا ہے۔ شاعر نے بھی اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہوئے نظم لُکّن مٹی میں چھپنے چھپانے کے کھیل کے استعارے میں یوں لکھا ہے :

" لُکّن مٹی" کا یا کھیل جو تم نے کھیلا،
بابا تم سے ہار گیا ہوں
میں نے جیت کے کیا لینا ہے
میری جیت تمہاری ہو بابا!
ہر ایک بازی ہار گیا ہوں
بابا! اب تو سامنے آؤ(9)

حیات و کائنات کا فلسفہ بہت گہرا ہے۔ تدبیر کا حصہ زندگی میں کم ہے اور تقدیر و اتفاقات زیادہ ہیں۔ جبر افطرت کا یہ احساس زندگی سے سب مسرتیں چھین لیتا ہے۔ خود کلامی تنہا فرد کا سب سے بڑا سہارا ہوتی ہے بلکہ تخلیقی ترفع پا کر خود کلامی شاعری کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ موصوف ایسے شاعر ہیں جنھوں نے شاعری کے جملہ محاسن کو پورے طور پر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انسان اور اس کے جذبات کو ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ نظم '' خود کلامی'' میں تنہائی اور وحشت کا دُکھ بیان کرتے ہیں۔ اپنی اندرونی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کرب کی اس گھڑی میں سکون کی نیند میسر ہے نہ خواب کا تصور۔ یعنی چین میسر نہ ہو ، نیند نہ آئے تو اچھے وقت کا خواب کیسے ممکن ہے ؟ تنہائی میں بھی وحشت ہے۔ سکوں کے لیے محبوب کا ذکر چھیڑا مگر اس سے بھی اضطراب بڑھ گیا۔ یہ نظم ذہنی تناؤ کی عکاس ہے:

آج کی رات کتنی بھاری ہے
آج کی رات کیسے گزرے گی
سانس لینے میں کتنی دقّت ہے
دل کی دھڑکن بھی کچھ گریزاں ہے
نیند نظریں چرائے پھرتی ہے
خواب آنکھوں سے لاتعلق ہیں
آج خلوت میں کتنی وحشت ہے
تیرا ذکر بھی چھیڑ کر دیکھا
دل کی پھر بھی وہی اداسی ہے(10)

شاعر اسی وحشت میں جنگل سے نکل کر اپنے دل کو سکون پہنچانا چاہتا ہے۔ کسی کو کیا معلوم کیا دُکھ بیان کر رہا ہے۔ جو وہ نغمہ الاپ رہا ہے اس کی گہرائیوں کو کون سمجھتا ہے؟ جو بات اُن کے دل میں ہے اس کے مفہوم تک رسائی کس کو ہے؟ جنون کی اس کیفیت میں شاعر کہتا ہے:

آج خواہش ہے قیس کی صورت
میں کسی دشت میں نکل جاؤں
چاک کرتا رہوں گریباں کو
جلتے صحرا میں گر کے مر جاؤں
خاک بن کر میں پھر بکھر جاؤں(11)

رجائیت اُردو شاعری کا بنیادی خاصہ ہے۔ عمران ظفر کے مزاج میں بھی رجائیت ہے۔ ان کے مجموعہ "دو حرف تسلی کے" کے عنوان سے ہی رجائیت ظاہر ہوتی ہے۔ اشعار میں بھی اکثر جگہ انھوں نے اپنے رجائی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے:

نشانِ منزلِ الفت نہ تُو دکھا مجھ کو
کہ راہِ عشق میں منزل ہے راستہ مجھ کو
بہت دنوں سے اداسی ہے دل کی بستی میں
تو بات کر کے، کوئی قہقہہ سنا مجھ کو

یہ ہونٹ بھول چکے ہیں کسی تبسم کو
تو مسکرا کے دکھا اور پھر ہنسا مجھ کو (12)

نثری نظم ''رخصتی'' میں جذبات کا یوں بیان کرتے ہیں:

تم نے کبھی سردیوں میں شام کا منظر دیکھا ہے
غروبِ آفتاب کے بعد بھی
آسمان پر اس کی روشنی رہتی ہے
مجھے بھی دسمبر میں تمہاری رخصتی کا رنج نہیں
تمہارے جانے کے بعد بھی
میرے دل میں اجالا رہے گا(13)

دسمبر'' عموماً عاشقوں کے لیے بڑا اداس کن مہینہ ہے۔ شاعر کی زندہ دلی کا ثبوت ہے کہ وہ اس مہینے میں محبوب کی جدائی سے بھی حظ کشید کر رہا ہے یہ ایک کمال فنکار کا کام ہے کہ مشکل سے مشکل گھڑی کو بھی اپنے لیے باعث مسرت بنا لیتے ہیں اور عمران ظفر میں یہ فن بدرجۂ اتم موجود ہے کہ وہ مشکل سے مشکل، خوفناک اور کٹھن معاملات ان کے تحت وشعور میں رچ بس کا شاعری کا خام مواد پیدا کرتا ہے۔ جسے عمران ظفر تخیل کی پرواز اور جذبے کی شدت سے شعر میں ڈھال کر پیش کیا ہے کہ حافظ صفوان لکھتے ہیں :

''برادرم ڈاکٹر عمران ظفر کی یہ ادا قابلِ داد ہے کہ وہ جو بھی لکھتے ہیں اُس میں سے وہ تحریریں جنھیں وہ قابلِ اشاعت سمجھتے ہیں اُن کو کتابی صورت دے دیتے ہیں۔ "دو حرف تسلی کے" اُن کے تازہ کلام کا دیوان ہے جو اِسی سال کے آغاز میں شائع ہوا ہے۔ اِس مجموعۂ کلام میں غزل، موضوعی غزل، نظم، طویل نظم، آزاد نظم، نثری نظم، قطعہ، رباعی، ترونی، وغیرہ، سبھی سوغات موجود ہے۔ یہ نیرنگی ظاہر کرتی ہے کہ جنابِ عمران ظفر اظہارِ ذات پہ زور دیتے ہیں نہ کہ کسی ہئیت کے اسیر ہیں۔ مجموعے میں شامل 17 غزلیں ثابت کرتی ہیں ہیں کہ عمران ظفر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور شاعری کی اُس کلاسیکل روایت سے مربوط ہیں جو اردو ادب کا وقار ہے۔''(14)

عمران ظفر کی شاعری کی ایک ظاہر بظاہر خوبی قریبی رشتوں کے لیے کہی گئی نظمیں ہیں۔ مختلف ہیئتوں میں والد، بیوی، اور بیٹا بیٹی کے لیے کہی گئی نظمیں اُن کے اندر کے اُس انسان کو سامنے لاتی ہیں جو تازندگی اپنے سے متعلق رشتوں کی بہترائی کے لیے جان کھپی کرتا

رہتا ہے۔ ''تانی پارٹنر'' کے نام سے بیگم کے لیے کہی گئی نثری نظم لکھ کے تو عمران ظفر نے گویا قلم توڑ دیا ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ یہ وہ مرد ہے جو ہماری فیمنسٹ عورتوں کو سخت برا لگتا ہے اور وہ اِسے مسوجنسٹ وغیرہ کے عنوانات سے یاد کرتی ہیں۔ میں پاکستان کی نامی گرامی فیمنسٹ عورتوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ عمران ظفر کی شاعری کا یہ حصہ تنقیدی نگاہ سے دیکھیں اور بتائیں کہ پاکستانی مردوں کی اِس قسم کو وہ کس عنوان سے یاد کرنا چاہیں گی۔(15)

عمران ظفر کے شعری مجموعہ '' دو حرف تسلی کے'' میں آزاد نظمیں ہیں اور یہ آزاد نظمیں موضوع کے اعتبار سے رومانی ہیں۔ ''دو حرف تسلی کے'' میں محبت کی آخری نظم ،تانی پارٹنر رخصتی میری نظم میری سہیلی لکن مٹی ایسی نظمیں ہیں جن کا انداز رومانی ہے۔ عمران ظفر اکیسویں صدی کے اُردو شاعری کے اُفق پر تابندہ ستارہ ہے جس کی مختصر نظموں میں ایک نیا آہنگ اور تنوّع موجود ہے۔ انھوں نے سماجی و سیاسی موضوعات جس انداز سے نظموں میں پیش کیا ہے انھی کو اشارے اور علامت کے انداز میں اشعار میں نمایاں کر دیا ہے۔ نظم '' بساط'' میں دنیا کی بے مہری حسی کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ نظم معاشرتی اور تہذیبی آشوب کی نوحہ کناں ہے۔ ہمارا معاشرہ ثنویت کا حامل ہے۔ تہذیبی آشوب کو ظاہر کرنے کے لیے شاعر نے بساط، بصیرت اور بصارت کے کنائے میں ہماری معاشرتی بے حسی کو نمایاں کیا ہے۔ نظم '' بساط'' میں دنیا کے رنگوں اور بساط حیات کی نئی جہات سامنے آتی ہیں:

خدایا
تیری یہ دنیا
بڑی مدت سے بہری ہے
یہ گونگی ہے
اندھی ہے
میرے اندر کا برپا شور یہ کیوں کر نہیں سنتی
میرے حق میں زبان گنگ ہیں
شاید یہ بہری ہے
یہ اندھی ہے
جو سب کچھ دیکھ کر بھی اپنی آنکھیں بند رکھتی ہے....
یہ اندھی ہے....(16)

شاعری ایک ایسا منفرد، پیچیدہ وسیع اور متنوع عمل ہے جس میں زندگی اور اس کی متعلقات کی گردشیں کہیں تھمتی دکھائی نہیں دیتیں۔ قاری کے سامنے معنوی امکانات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ شعری منظر نامے میں جہاں کئی منظر بنتے اور معدوم ہوتے ہیں وہاں ایک منظر شاعر کی اپنی ذات کا بھی ہے۔ کئی شعر شاعر کی اندرونی کیفیات کے کچھ اس طرح عکاس بن جاتے ہیں کہ شاعر کے وجود کا معاملہ ہوں۔ اداسی'' ایک طویل نثری نظم ہے۔ یہ ان لمحوں کی نظم ہے جب اُن پر شاعری کی رم جھم کی پھوار پڑی اور جل تھل بارش میں بدل گئی۔ موصوف کے لیے شاعری ایک مشغلہ ہے وہ شاعری میں عرق ریزی کے قائل نہیں معلوم ہوتے اور شاید اس میں بسیار گوئی کو بھی کافی دخل ہے۔ اشفاق رضا لکھتے ہیں:

> ''ان کی شاعری کا بنیادی وصف دھیمہ پن ہلکی سی کسک اور خلش ہے۔ نہ محبت کا جوشیلے انداز میں ہے نہ ہی ہجر و وصال کی کیفیات کی آگ جلا کر راگ کرنے والی ہے۔ بلکہ ایک ہلکی آنچ دل میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ ان کے ہاں محبت کا اظہار بھی ہے اور درد بھی اور اپنوں کے نامہربانیاں بھی۔''(17)

عمران ظفر نے ادب و شاعری کے بڑے ناموں کی تقریظیں ٹانکنے کی بجائے اپنے کلام کو اپنے قریبی لوگوں اور شاگردوں سے جنچوانا پسند کیا۔ اپنے بیٹے علی عمران، بیٹی عائشہ عمران، شاگردان اشفاق رضا، آسیہ پروین، ڈاکٹر خاور بوسالوی اور ڈاکٹر امیر حمزہ جسرا کی مختصر مگر سچی تحریریں اِس چیز کی شاہد ہیں۔ عمران ظفر کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ انھوں نے ادنی سے ادنی موضوع سے لے کر مابعد الطبیعات کے اعلیٰ سے اعلیٰ موضوع پر لکھا ہے اور بے تکان لکھا ہے اور ان کا کمال یہ ہے کہ معمولی سے معمولی چیزوں کے بیان میں بھی تاثیر کا ایسا رنگ بھرتے ہیں جو دوسروں کے یہاں اعلی مضامین میں بھی نظر نہیں آتا۔ ایک ہی رنگ اور ایک ہی ذائقے کی شاعری سے جاتے ہیں تو انھیں عمران ظفر کے کلام میں بڑی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ اس جدید رنگ کی ایجاد کے سبب عمران ظفر اس بات کا مستحق ہے کہ انھیں اردو شعرا کی محفل میں ایک ممتاز جگہ دی جائے۔

عمران نے نثری شاعری بھی کی ہے اور نثری نظم میں بھی انفرادیت اور فن کا لوہا منوایا ان کا لفظ ذخیرہ بہت وسیع ہے۔ موقع محل کے مطابق ان کے الفاظ کا انتخاب قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے اور وہ جذبات کے بیان کے لیے نئے راستے اور لفظوں کے نئے پیکر تراشتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری لوگوں کے دل لبھاتی ہے، عمران ظفر کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جنھوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ معاشرے کو تہذیب و اخلاق کا ایک عظیم درس دیا صرف رومانی اور عشقیہ غزلوں سے عاشقوں کا دل لُبھانے کے بجائے تہذیب، اخلاق اور ہمدردی کے نغمے گنگنائے، نثری نظم ''رخصتی'' اس کی بہترین مثال ہے:

تم نے کبھی سردیوں میں شام کا منظر دیکھا ہے

غروب آفتاب کے بعد بھی
آسمان پر اس کی روشنی رہتی ہے
مجھے بھی دسمبر میں تمہارے رخصتی کا رنج نہیں
تمہارے جانے کے بعد بھی
میرے دل میں اجالا رہے گا(18)

تخلیق شعر کے وقت شاعر کسی بھی لسانی نظام یا فکری قانون کی طرف متوجہ نہیں رہتا مگر اس کا ماحول سماج یا معاشرہ اس کے ذہن میں متحرک رہتے ہیں۔ اس طرح وہ زندگی کے تجربات کے ساتھ ساتھ اپنا نظریہ بھی پیش کرتا ہے جو وہ ان سب سے اخذ کرتا ہے۔ نظم ''علی عمران کے نام''میں اپنے تجربات کے نتیجے میں اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کرتے ہیں :

دیکھو بیٹا!
عورت کے آنسو سے ڈرنا
عورت کے طعنے سے بچنا
جتنی بھی کمزور ہو عورت
اپنی ان دو باتوں ہی سے
دنیا بھر کے مردوں کو یہ
پل میں گھائل کر سکتی ہے
تم کو قائل کر سکتی ہے (19)

تانی پارٹنر زمانۂ حال کی عکاسی کرتی نظم ہے۔ شاعر زمانے اور اس کی فریب کاری سے اپنی تانی پارٹنر کو آگاہ کرتا ہے۔تانی پارٹنر نظم کا مرکزی کردار ہے۔ شاعر اپنی تانی پارٹنر کو روح عصر کی گدلی اور فریبی دنیا سے نکال کر ایک خیالی اور مثالی دنیا میں لے جانا چاہتا ہے۔نظام کائنات انسان کی تفہیم کے لیے ایک عنوان ہے۔ نظم ''بساط'' میں شاعر اسی کو موضوع بناتا ہے۔انسان کائنات میں موجود ہے اور کائنات کا ایک وجود بھی ہے۔ یہ حقیقت ہے انسان جس دنیا کو حقیقی سمجھ رہا ہے وہ ایک حقیقت کا پرتو ہے۔ بنابریں انسان اس میں آ کے ہراساں و پریشان ہے۔ہر کسی کو اپنی اپنی فکر ہے۔

شاعری میں الفاظ کی مصوری اور موسیقی کا عمل دخل تو ہے لیکن اگر اسے روح کی مصوری اور موسیقی کہا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔الفاظ خیالات کے تابع ہوتے ہیں اور جذبات واحساسات مناسب الفاظ میں ڈھل جاتے ہیں۔ ورڈزورتھ کے بقول

شاعری جذبات کے بے ساختہ چھلک جانے کا نام ہے۔ محبت کی زبان بذاتِ خود شاعری ہے۔ ''محبت کی آخری نظم'' تو اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر نے ایک ایسے کردار کو متعارف کرایا ہے جو کبھی اس کے بہت قریب تھا۔اس کا سہارا اسے مضبوط و مربوط رکھتا تھا۔ شعر و شاعری کا جذبہ بھی اسی محبوب کردار نے بخشا۔ یہاں تک محبوب کی یاد میں کہی گئی نظم شاعر کی پہنچان بن جاتی ہے۔ صداقت شاعری کی بہت بڑی قوت ہے۔ نظم کا اختتام قاری کو اداسیوں کی وادیوں میں لے جاتا ہے:

بہت بکھرا ہوں میں
شکستہ دل ہوں تو آرزو ہو کے آج کہتا ہوں
مجھے یہ شاعری، یہ دلبری ہر گز نہیں کرنی (20)

جہاں تک ''نثری نظم''کا تعلق ہے کہ تو انگریزی شاعری میں اس صنف میں عظیم نظمیں ملتی ہیں۔اسلم انصاری نے کہیں لکھا ہے کہ ''کوئی خاص ہئیت یا صنف لازمی طور پر معیارِ تخلیق کی ضمانت نہیں دے سکتی۔ کمزور شاعری کسی بھی صنف میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ''تانی پارٹنر'' ایک ایسی نظم ہے جو کسی ناول کے دو کرداروں سے مشابہت رکھتی۔ ہے۔ صاف اور سیدھا سادہ خیال دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔اداسی میں "تم میرے پاس ہوتے ہو گویا'' جیسی کیفیت سامنے آتی ہے۔ محبوب کی وفاداری ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ پھر جدائی شاعر کو اداس کر دیتی ہے:

دیکھو میری جان، میری دوست
ہر شخص اداسی کے ساتھ نبھا نہیں سکتا
اداسی کو صرف شاعر ہی اپنا سکتا ہے
پتا ہے کیوں
کیوں کہ اداسی شاعر کی پسلی سے نکلی ہے(21)

''عائشہ عمران'' بھی ایک مختصر نظم ہے۔خیال بہت واضح ہے۔ڈاکٹر عمران ظفر نے اپنے آپ کو دریافت کیا ہے۔ سادہ الفاظ میں خیال پیش کرنا اور پھر اسے شعر میں ڈھالنا ایک مشکل کام ہے۔انھوں نے سہولت کے عام سی صورت حال کو اشعار میں ڈھالا ہے۔ ''دو حرف تسلی کے''کی نظمیں ایسی ہیں جیسے دھوپ چھاؤں کی پرچھائیوں سے بھری کمرے کی دیوار اور ہر پرچھائی زندگی کی ایک کہانی ہے کبھی گزرے ہوئے کسی پل میں ٹھہری ہوئی تو کبھی لمحہ حال میں سانس کے ہلکوروں پہ جھولتی ہوئی۔ ''دو حرف تسلی کے''کی نظمیں وسیلہ ہیں ہماری دل کی کہانیوں کی بازیافت کی جو ہم ہر گزرتے دن کے صفحوں میں کہیں سوکھے پھولوں آسا بھول گئے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ریاضت بڑھتی جائے گی تو شاعری اپنا راستہ خود بناتی جائے گی۔

ڈاکٹر عمران ظفر نے اپنی نظموں میں مختلف لسانی پیٹرن استعمال کیے ہیں۔ جہاں تک روایتی اسلوب اور الفاظ و تراکیب کا سوال ہے، پاسداری تو کرتے ہیں تقلید نہیں۔ انھوں نے شعری روایت کو اپنی فہم سے بہت سلیقے سے برتا ہے۔ اس سلسلے میں حافظ صفوان محمد لکھتے ہیں :

عمران ظفر کی شاعری کی عمر ابھی کم ہے لیکن اِس میں ایسی کوئی لہر موجود نہیں ہے جسے نو عمری کی شتابی کہا جا سکے۔ مجھے یہ جملہ لکھتے وقت اُس ذمہ داری کا احساس ہے جو ایک ایسے شاعر کے بارے میں لکھا جا رہا ہے جس کا پہلو نٹا دیوان ہنگامی موضوع پر فکاہیہ شاعری پر مشتمل تھا۔ میں پوری ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں کہ " دو حرف تسلی کے " کی شاعری ہی عمران ظفر کے فکر و فن کا حقیقی رنگ ہے۔ یہ رنگ ثقافت، سماجی و معاشی ذمہ داریوں اور ناتے داریوں جیسے بیرونی اور محبت، بچھوڑے، کرب اور احساس وغیرہ جیسے اندرونی اشاریوں سے بخوبی پیمائش کیے جا سکتے ہیں۔ " دو حرف تسلی کے " عمران ظفر کی شاعری کے پختہ رنگوں کی دھنک ہے۔ (22)"

عمران ظفر کی لفظیات میں پنجابی کے علاوہ مختلف بیرونی زبانوں بشمول عربی و فارسی، انگریزی اور چینی زبانوں کے الفاظ اپنی علامتی، استعاراتی اور تشبیہاتی صورتوں میں موجود ہیں۔ بھاری بھر کم عربی و فارسی تراکیب اِس لفظیات میں عنقا ہیں۔ وہ انگریزی الفاظ کو رومن ہجوں میں بھی لکھتے ہیں۔ اردو ادب کے ایک سنجیدہ طالبِ علم اور استادِ ادب کا اپنی سنجیدہ شاعری میں انگریزی لفظوں کو یوں دھڑلے سے استعمال کرنا اگرچہ اب کوئی چونکا دینے والی بات نہیں رہی لیکن پھر بھی قابلِ توجہ ہے۔

مختصر یہ ہے کہ ان کی شاعری تازگی کا نمونہ ہے۔ ان کا شعری اسلوب بھرپور اور جدا ہے۔ یہ بات قابل نکتہ ہے کہ ان کی بعض نظم غزل کی حالت میں لکھی گئی ہیں اور بعض نظمیں تو ایسے ہیں کہ اگر انھیں بغیر عنوان کے پڑھا جائے تو غزل کا گمان ہوتا ہے۔

حوالہ جات

عمران ظفر، ڈاکٹر، دو حرف تسلی کے، کریٹو پبلشرز، فیصل آباد، 2024، ص:9

ایضاً، فلیپ

ایضاً، ص:37

ایضاً، ص:60

ایضاً، ص:40

ایضاً، ص:78

العنکبوت:57

رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں،ص: 89

عمران ظفر،دو حرف تسلی کے،ص:53

ایضاً،ص:54

ایضاً،ص:55

ایضاً،ص:21

ایضا،ص:71

تبصرہ نگار: حافظ صفوان۔ 15اپریل2024ء

https://www.facebook.com/share/dSreXm813iwcXf3R/?mibextid=qi2O)

(mg

ایضاً

عمران ظفر،دو حرف تسلی کے،ص:62

ایضاً،فلیپ

عمران ظفر،دو حرف تسلی کے،ص:71

ایضاً،ص:46

ایضاً،ص:60

ایضاً،ص:69

ایضاً،ص:فلیپ